گلِ مُقیّد

کلام از

زُنیرہ عقیلؔ



www.algazali.org

مری پرچھائیاں بھی ڈھل جائیں

اب کوئی ایسا وظیفہ چاہیے

گُلِ مقید

شاعرہ

زنیرہ عقیل

شائع کردہ: الغزالی فورم

www.algazali.org

کتاب: گلِ مقید

شاعری: زنیرہ عقیل

ضبط و ترتیب: محمد داؤدالرحمن علی

باہتمام: الغزالی اردو فورم

ویب سائٹ: www.algazali.org

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست کلام

پیش لفظ

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم امابعد!

خدا کے فضل و کرم سے عام لوگوں کی طرح ہم بھی مدح و تعریف کے معاملے میں خود کفیل ہیں۔ یعنی اپنی تعریف کرنے اور سننے میں اتنا انہماک رہتا ہے کہ کسی دوسرے کی تعریف کرنے یا سننے کی طرف دھیان ہی نہیں جاتا۔ لیکن جب کبھی محترمہ زنیرہ عقیل صاحبہ کی کوئی غزل یا نظم یا مضمون یا قیمتی تحریر فورم پر نظر آ جاتی ہے تو ہم اپنے طرز عمل اور طرز فکر میں تبدیلی پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ ظاہر ہے جو کام مجبوری سے کیا جائے وہ خوشی سے نہیں کیا جاتا۔ تاہم یہ سوچ کر ہم اپنے دل کو تسلی دے لیتے ہیں کہ جب اہل ثروت اپنے مال پر زکوۃ دیتے ہیں تو ہمیں بھی اپنے سرمایۂ مدح و تعریف کی زکوۃ نکالنی چاہیے۔ اگر اس بہانے کسی دوسرے کے کمالات کے اعتراف کا موقع مل جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ لہذا ہم کھلے بندوں اعتراف کرتے ہیں کہ محترمہ زنیرہ عقیل صاحبہ بہت اچھی شاعری اور ایک اچھی مضمون نگار ہیں۔

اردو ادب کے ناقدین و دانشوروں کی عام طور پر یہ خامی و خرابی رہی ہے، جب وہ کسی موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں جو جانبداری اور یک طرفہ انتہا پسندی کا ثبوت دیتے ہیں۔ اپنی پسند کے مطابق کسی کی تعریف کرنا مقصود ہو تو اسے آسمان کی رفعتوں پر پہنچا دیتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ ان کی نظر میں کوئی ناپسند ٹھہر جائے اور عیب جوئی پر آمادہ ہو جائیں تو اس میں اتنے عیب تلاش کیے جائیں گے کہ اسے نقص و تبصرے میں پاتال کی پستیوں میں پہنچا دیا جائے گا۔

اردو تنقید اسی دھڑے پر رواں ہے۔ مثلاً ایک ناقد حکم صادر فرماتے ہیں "اردو غزل ایک نیم وحشی صنف ہے"۔ تو دوسرے صاحب جواباً کہتے ہیں "غزل اردو شاعری کی آبرو ہے"۔ کوئی ناقد غالب کے دیوان کو الہامی کتاب قرار دیتے ہیں تو کوئی اسے بے رنگ شعروں کا مجموعہ کہہ دیتا ہے۔ غرض یہ کہ ہمارا تنقیدی جائزہ سچائیوں کی کسوٹی پر کھرا نہیں اترا بلکہ اس میں جانبداری صاف نظر آتی ہے۔اسی طرح ادباء و ناقدین نے محض چند مخصوص موضوعات کو منتخب کرلیا اور کچھ شعرا یا ایک شاعر کو خامہ فرسائی کے لیے درخور اعتنا سمجھ لیا ہے، بقیہ شعرا، قلم کاروں پر لکھنا اور ان کی شاعری پر تنقید و تبصرہ کرنا کسر شان سمجھتے ہیں، یہ تنقیدی رویہ اور تنقیدی المیہ ہے کہ ناقدین چڑھتے سورج کی پوجا کرتے ہیں اور صاحب حیثیت تخلیق کاروں کو ہی تعریف و توصیف کا مستحق سمجھتے ہیں۔

الغزالی فورم کے قارئین کرام سے وعدہ کیا تھا کہ اراکین الغزالی کے قیمتی، اصلاحی مضامین اور بہترین شاعری کا انتخاب کرکے الغزالی انتظامیہ کی جانب سے گاہے بگاہے آپ کی خدمت میں پی ڈی ایف کتب پیش کی جائیں گی۔الحمداللہ اس سی سلسلہ کو برقرار رکھتے ہوئے الغزالی انتظامیہ قارئین کرام کی خدمت میں ایک نئ پی ڈی ایف محترمہ زُنیرہ عقیل صاحبہ کی شاعری کا شاہکار ''گلِ مقید'' آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہی ہے۔

محترمہ زنیرہ عقیل صاحبہ کا تعلق ایک پختون خاندان سے ہے لیکن اردو زبان و ادب سے کس قدر شغف رکھتی ہیں یہ محترمہ موصوفہ کی "گلِ مقید" کتاب سے ظاہر ہے۔ محترمہ موصوفہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی سے عالمہ فارغ التحصیل اور بی ایس سی این کی طالبہ ہیں، اسی شعبہ سے

وابستہ بھی ہیں۔الغزالی اردو فورم پر منتظم اعلی اور الغزالی فورم کے ترجمان "مجلہ افکار قاسمی" میں مدیر شعبہ خواتین کے فرائض بھی سرانجام دے رہی ہیں۔

میں "گلِ مقید" کے چند نظموں کے کچھ ٹکڑے جستہ جستہ آپ کو سناؤں گا لیکن ایک بات شاید کہنے سے رہ جائے اس لیے ابھی کہے دیتا ہوں سنئے غزل کی اور بات ہے۔اگرچہ غزل میں بھی یہ توفیق بہت کم متغزلین کو ہوئی ہے کہ وہ اپنے اشعار سے اپنی شخصیت کی اچھائی اور نیکی کا ہمیں احساس کرائیں علاوہ اپنی فنی صلاحتیوں کا احساس کرانے کے۔ لیکن نظموں میں یہ بات تو اور بھی مشکل ہو جاتی ہے۔کیونکہ نظموں میں عموماً خارجیت کے عناصر غلبہ پا جاتے ہیں اور بسا اوقات داخلیت دب کر رہ جاتی ہے۔آپ اگر صرف یہ محسوس کرنے کے لیے کہ شاعر کتنا نیک انسان ہے نظموں کا کوئی مجموعہ اٹھالیں تو آپ کی جستجو کو آسانی سے تشفّی نہ ہوگی۔زور بیان، قدرت اظہار، رنگینی، تشبیہ واستعارے قوت مصوری غرض کہ قادرالکلامی میں تخیل کی رنگارنگی اور تکمیل فن کی تو مسلسل کئی مثالیں آپ کو مل جائیں گی۔درد محبت اور درد انسانیت کا بھی نہایت شد و مد سے اظہار کئی نظموں میں نظر آئے گا۔اگر نہیں ملے گی یا بہت کم ملے گی تو وہی ایک بات یعنی شاعر کے بہت نیک، بہت اچھا انسان ہونے کی شہادت۔اب سنیئے گلِ کی نظموں کے چند ٹکڑے اور دیکھیے کہ کئی شاعرانہ خوبیوں کے ساتھ اپنی شرافت نفس کے عناصر کو کس طرح اپنے نغموں میں سمو دیا ہے۔

بھر جاتے ہیں اکثر میرے خالی ہاتھ دعاؤں کے
جیسے دور ہوئے ہوں درد بھی جلتے ان صحراؤں کے

اسی نظم سے شاعرہ نے "گلِ مقید" کے سازوں کو چھیڑا ہے۔ دوسری نظم میرے لیے کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ صرف دو بند سنیے:

دن کچھ ایسے گزارتی ہوں میں
رب کو اپنے پکارتی ہوں میں
اپنے غم اب نہیں سنبھل پاتے
کوششیں کر کے ہارتی ہوں میں

اک نظم کا عنوان ہے "ایک دن ایسا اثر دیکھو گے" اس کا صرف ایک بند سنیے:

ایک دن ایسا اثر دیکھو گے
دل میں اک شعلہ مگر دیکھو گے
بات کرنے کا سلیقہ تو نہیں
سمجھانے کا ہنر دیکھو گے

کتاب کے آخر میں "یہ وقت بھی گزر جائے گا" نظم کا آخری بند سنیے:

نہ ہو خوف میرے وجود سے
گر ڈرے فقط تو معبود سے
نہ ادھر کا ہو نہ اُدھر کا ہو
وہ شریک میرے سفر کا ہو
موسمِ بہار جب آئے گا

یہ جو وقت ہے گزر جائے گا ....طوفان بھی یہ تھم جائے گا

میں اچھی طرح سوچ سمجھ کر پوری ذمہ داری کے ساتھ کہتا ہوں "گل مقید" میں شامل شدہ تمام تر انتخاب لاجواب ہے۔ میں گل ؔ کے متموّج اور مترنّم تخیل کا ذکر کر چکا ہوں جس کی رنگا رنگ مثالیں اس کتاب میں شروع سے آخر تک ملیں گی لیکن ان نغمات کو محض سارنگی یا بانسری کا لہرا سمجھ لینا یا ستار کی گت سمجھ لینا کافی نہیں ہے گل ؔ کی فکریات میں ایک سنجیدگی ہے اور ان کے شعور میں ایک خاموش تلخی ہے جو دور حاضر کی زندگی کے پر خلوص اور حساس تجربہ کا نتیجہ ہے۔ ان کی نظموں میں بسا اوقات خاموش اچانک پن کے ساتھ ایک بھیانک کشش پیدا ہو جاتی ہے۔ ان نظموں میں تلخی اور غم کے ایسے جوہر ملتے ہیں جو دماغی یا جذباتی تعیش کی پیداوار نہیں بلکہ سنجیدہ تفکر اور ناقدانہ احساس سے ابھرتے ہیں۔ یہ نظمیں محض ضیافت سماع نہیں بلکہ دعوت نظر بھی ہیں اور سستی لذیّت سے یہ نغمے یکسر مبرا ہیں۔

آج اردو ادب (خاص طور پر اردو شاعری) بہت تیز رفتاری سے تجرباتی دور سے گزر رہا ہے۔ ترقی پسندی اور جدیدیت پسندی میں کشمکش جاری ہے۔ ایسے حالات میں تجرید پسندی کا وجود میں آنا ایک جراءت آمیز فعل ہے المختصر "گل مقید" اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ دیکھنا ہے کہ یہ تجرید پسندی کہاں تک پسند کی جاتی ہے؟

(محمد داؤد الرحمن علی)

مدیر مجلہ افکار قاسمی و نوائے خادم

حرفِ گل

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ!

اظہار خیال کے لیے مختلف طور طریقے اپنائے جاتے ہیں۔ مقرر اپنی تقریر کے ذریعے اپنے الفاظ کا جادو جگا کر دلوں میں اترنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنے خیالات کو منتقل کرنے کی کوشش کرتا ہے جبکہ ایک مصنف وہی کام کتاب کی شکل میں کرتا ہے اور اپنے خیالات کو تادم قیامت امر کرتا ہے جبکہ ایک شاعر اپنے اشعار کے ذریعے سے یہ کام سرانجام دیتا ہے۔ اور کچھ لوگ اشعار کی زبان کو زیادہ مؤثر انداز میں اپنی تقاریر اور کتب کی شان بڑھانے کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں۔

اشتیاق تو مجھے بھی ہے کہ بھرپور طریقے سے شاعری کے ذریعے اپنے پیغام کو دوسروں تک پہنچا دوں لیکن وقت کی قلت امید وارمان کے بیچ دیوار ہے۔ پھر بھی اپنے طور پر کوشش کرتی ہوں کہ اپنے ٹوٹے پھوٹے اور بے وزن اشعار کے ذریعے اپنے الفاظ منتقل کر دوں۔ لیکن میرے لیے سب سے بڑی خوش قسمتی یہ ہوئی کہ مجھے اللہ رب العزت نے ایک ایسے فورم سے منسلک کر دیا جہاں تحریر واشعار کی قدر وقیمت اور اہمیت کو اجاگر کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ تو کیوں نا پھر کوشش کی جائے کہ اپنے خوبصورت دین اسلام کی خدمت بھی کی جائے اور مؤثر انداز میں اپنے خیالات منتقل کئے جائیں۔

اسلام کے ابتدائی دور میں جس طرح حالات تھے اسی طرح آج بھی ملت اسلامیہ کو احیاء، اصلاح اور حصول غلبہ کی ضرورت ہے۔ لہٰذا اس دور میں شاعری کا تقاضا یہ ہے کہ مجازی تخیلات کی بجائے حقیقی

شاعری کی طرف توجہ دی جائے موجودہ حالات و واقعات کے ساتھ درس وتدریس کا امر بھی ظاہر ہونا چاہیے۔

زیر نظر تصنیف کا مجھے علم نہیں تھا نہ ہی ناچیز وناقص العقل اس قابل ہے کہ کوئی کتاب لکھ سکے یہاں ہمارے بہت ہی محترم حضرت اقدس مولانا محمد احمد قاسمی صاحب اور دیگر علماء کرام و مصنفین کرام کی موجود میں لکھنا میرے لئے کافی مشکل ہے لیکن منتظم اعلیٰ و مترجم الغزالی اردو فورم اور "افکار قاسمی" کے مدیر التحریر محترم محمد داؤد الرحمٰن علی جو مجلہ "نوائے خادم" کے مدیر اعلیٰ بھی ہیں کی محبت، محنت، جاں فشانی کو دیکھتے ہوئے ان کے حکم سلطانی کو ٹالنے کی مجھ میں ہمت نہیں تھی اس لئے آماد گی ظاہر کی۔

امید ہے کہ آپ محترمین کو میری کاوش پسند آئے گی اور میری اصلاح کرنے میں دیر نہیں کریں گے میں ایک کند پتھر کی مانند ہوں مجھے چمکانے کے لیے آپ کی اصلاح کی طالب رہوں گی۔آپ سب کی بے انتہا مشکور ہوں کہ آپ نے مجھے اتنی عزت دی اور اس قدر بیش بہا تحفے کے قابل سمجھا۔

آخر میں دل کی اتھاہ گہرائیوں سے میری دعا ہے کہ رب کائنات آپ سب کے لئے دینی خدمات کی یہ بہترین کاوشیں قبول فرمائے اور بخشش کا ذریعہ بنائے اور ہمارا یہ فورم خوب ترقی ہے اور پھلے پھولے۔دن دگنی رات چگنی ترقی کرے۔اللہ آپ سب کو جزائے خیر دے آمین ثم آمین!

زنیرہ گل

بھر جاتے ہیں اکثر میرے خالی ہاتھ دعاؤں کے

بھر جاتے ہیں اکثر میرے خالی ہاتھ دعاؤں کے
جیسے دور ہوئے ہوں درد بھی جلتے ان صحراؤں کے

در در ٹھوکر کھا کر جب ہم تھک جاتے ہیں آخر میں
پیاس بجھانے آتے ہیں ہم ان سوکھے دریاؤں کے

وقت کے تپتے ریت پہ چل کے ایسی حالت ہو گئی ہے
جان ہی میری لے لے گی یہ آبلے میرے پاؤں کے

گرتے گرتے اکثر توُ نے مجھ کو ایسے بچایا ہے
خاک ہوا ہے گھمنڈ زمیں کے سارے ہی خداؤں کے

کالی چادر تھام کے میرے مولا رونا چاہتی ہوں
طالب ہیں گلِ اب تو ہم بھی سبز گنبد کے چھاؤں کے

دن کچھ ایسے گزارتی ہوں میں

دن کچھ ایسے گزارتی ہوں میں
رب کو اپنے پکارتی ہوں میں

اپنے غم اب نہیں سنبھل پاتے
کوششیں کر کے ہارتی ہوں میں

آئینۂ دل چٹخ گیا شاید
کرچیاں ہی سنوارتی ہوں میں

میرا کوئی نہیں ہے اب لیکن
اللہ اللہ پکارتی ہوں میں

زخم چہرے سے نمایاں نہ ہو گلؔ
زلفیں اپنی سنوارتی ہوں میں

میں نے کل ایک خواب دیکھا ہے

میں نے کل ایک خواب دیکھا ہے
خون کو مثلِ آب دیکھا ہے

برف جیسی سورج کی تپش
آتش فشاں ماہتاب دیکھا ہے

رشتوں میں بھی موڑ آتے ہیں
دشمن کا آپ جناب دیکھا ہے

پاک رشتوں کو روندنے والے
شرفا کو بے نقاب دیکھا ہے

رہا نہیں بھروسہ کسی پر
اکثر ہی سراب دیکھا ہے

خوف خدا رہا نہ کسی دل میں
جس کو دیکھا خراب دیکھا ہے

بے جا ہے رونا گلِ دنیا میں
جبر کا تو حساب دیکھا ہے

ہم اہلِ دل سہی لیکن یہ تو احساس رکھتے ہیں

ہم اہلِ دل سہی لیکن یہ تو احساس رکھتے ہیں
سرِ بازار رہ کر بھی حیا کا پاس رکھتے ہیں

کیا ہے قتل اپنی حسرتوں کا دل کے مقتل میں
اگر چہ ہوش بھی رکھتے ہیں اور حواس رکھتے ہیں

نہ آئے داغ دامن پر نہ بہکے دل کبھی میرا
میں ہوں اس قوم کی بیٹی جو پردہ خاص رکھتے ہیں

مری رب سے دعا ہے یہ مجھے اس قافلے میں رکھ
شہادت جنکی منزل ہو جو دل میں آس رکھتے ہیں

ضمیرِ گلؔ ہے زندہ اور وفا کے رنگ سے رنگیں
مہک بھی خاص ہے اور اپنی مٹھاس رکھتے ہیں

سلجھ سکتی نہیں ہے وہ، جو الجھن زندگی میں ہے

سلجھ سکتی نہیں ہے وہ، جو الجھن زندگی میں ہے
فقط اتنا سمجھ آیا، مزا بس بندگی میں ہے

خدا کی ذات پر ہم نے توکل کر کے دیکھا ہے
کہیں پر بھی نہیں حاصل سکوں جو سادگی میں ہے

لبوں پر جب بھی آتا کوئی شکوہ شکایت تو
حلاوت نعمتوں کا بھی اگرچہ عاجزی میں ہے

یہ مشروباتِ دنیا بھی اگر پی لو تو کیا حاصل
اگر رب کی رضا ہو تو مزا پھر تشنگی میں ہے

معطر ہو فضا گلؔ کی مہک سے میری خواہش ہے
مسل کر بھی مہکتا ہو مزا تو دائمی میں ہے

فقط ہم سانس لیتے ہیں

ہمارے چار سو اک خول ہے

جو بے حسی کا ہے

مگر کہتے ببانگ دہل ہیں

کہ ہم تو زندہ ہیں

ہمیں آواز آتی ہے اذانوں کی

مگر کانوں پہ جوں تک رینگتی نہیں

مگر کہتے ببانگ دہل ہیں

کہ ہم تو زندہ ہیں

ہماری بچیاں خود کو سمندر برد کرتی ہیں

کہ رشتہ دینے سے پہلے ادا جہیز نہیں کرتے

مگر کہتے ببانگ دہل ہیں

کہ ہم تو زندہ ہیں

ہمارے ہی پڑوسی بھوک سے نڈھال بیٹھے ہیں

فراوانی ہے نعمت کی ہمارے گھر

مگر کہتے بہ بانگ دہل ہیں

کہ ہم تو زندہ ہیں

ہماری بچیوں کہ عزتیں تار تار ہوتی ہیں

یہ کہ غیرت جو مردہ ہے

مگر کہتے بہ بانگ دہل ہیں

کہ ہم تو زندہ ہیں

کوئی جو سڑک پر مرتا ہے مرنے دو

ہمارا کیا؟

مگر کہتے بہ بانگ دہل ہیں

کہ ہم تو زندہ ہیں

مرے قرآن کی توہین ہوتی ہے

اور ہم زندہ؟

مرے آقا کے بھی کارٹون بنتے ہیں

اور ہم زندہ؟

ہماری نسل کو برباد کرتے ہیں

اور ہم زندہ؟

ارے ہم زندہ لاشیں ہیں

فقط ہم سانس لیتے ہیں

ہنستا دکھائی دے کوئی روتا دکھائی دے

ہنستا دکھائی دے کوئی روتا دکھائی دے
اور کوئی اپنے درد میں ڈوبا دکھائی دے

جو شخص کرے بات محبت کی یہاں پر
اس دور میں وہ شخص عجوبہ دکھائی دے

فکرِ معاش رونا ہے ہر فرد کا رونا
روٹی کے لیے کوئی ترستا دکھائی دے

نیندیں حرام ہو گئی حالات سے کچھ کی
غافل ہے جو ہر وقت وہ سوتا دکھائی دے

بنجر زمین بوند کو ترسے تمام سال
دریا بھی سمندر میں اترتا دکھائی دے

زخمِ دل کی کس سے شکایت کروں اے گلؔ
ہر گام پر اک شخص جو مرتا دکھا ئی دے

محبت ہے پہاڑوں سی مجھے چڑھنا نہیں آتا

محبت ہے پہاڑوں سی مجھے چڑھنا نہیں آتا
کٹھن راہوں پہ مجھ کو اس طرح چلنا نہیں آتا

کروں گی کس طرح شکوہ اگر دل میرا ٹوٹا تو
مجھے رونا تو آتا ہے مگر لڑنا نہیں آتا

ادھورا ہے سفر میرا نہ ہی اب تک ملی منزل
کسی بھٹکے ہوئے کو راہ پر لانا نہیں آتا

ملاتی ہاتھ ہوں جب دوست سے تو کانپ جاتی ہوں
مجھے اچھے بُرے کا فرق بھی کرنا نہیں آتا

ثباتِ گل پرکھنے کے لیے گل کو مسل دیکھو
کہ حق کی راہ پر باطل سے بھی ڈرنا نہیں آتا

مقیدؔ کر نہیں سکتی میں خوشبو کو کبھی اپنی
عدو سے بھی مہک کو فاصلہ کرنا نہیں آتا

شکن بھی گلؔ کے ماتھے پر اسے اچھی نہیں لگتی
کہ خود جس کو کسی کے سامنے ہنسنا نہیں آتا

بھاگنا چھوڑ تو اس طرح سرابوں سے نکل

بھاگنا چھوڑ تو اس طرح سرابوں سے نکل
سامنا کر لے حقیقت کا حجابوں سے نکل

کب تلک قید رہے گا یوں کُتب خانوں میں
مان لے بات مری اور کتابوں سے نکل

اپنی خوش فہمی کو خوش بختی سمجھنے والے
جان لے کچھ تو حقیقت ذرا خوابوں سے نکل

ٹوٹنے والی ہے اب ڈور مگر سانسوں کی
یاد اللہ کو تُو کر اور حسابوں سے نکل

جیت اور ہار کا یہ کھیل نہیں ہے لیکن
آگ سے خود کو بچا اور عذابوں سے نکل

خواب کا شہر اُجڑنے نہیں دوں گی لیکن
تو بھی اک بار مگر اِس کے خرابوں سے نکل

ایک اندیشۂ بے نام ہے دل کا باسی
تو بھی گل زیست کے بے وجہ عذابوں سے نکل

ہم نے ہر گام پہ ہی رب کو بھلا رکھا ہے

ہم نے ہر گام پہ ہی رب کو بھلا رکھا ہے
سماجی فاصلہ اپنوں سے روا رکھا ہے

اپنی کوتاہی سے آلودہ فضا کو کر کے
آپ ہی فکر سے اب خود کو گھلا رکھا ہے

وہ حیا ہم جسے لاتے ہی نہ تھے خاطر میں
اب یہ مجبوری ہے چہرے کو چھپا رکھا ہے

مرد وزن سب ہی تو محجوب ہیں، بے جلوہ ہیں
سب نے اب پردے کو محبوب بنا رکھا ہے

وہ جو عورت سے یہ کہتے تھے کہ پردہ نہ کرو
آج خود چہرے پہ چہرہ سا سجا رکھا ہے

یہ تو مولا ہے کہ مہلت ہی دیے جاتا ہے
اور درِ توبہ بھی دیکھو تو کھلا رکھا ہے

ہے خفا رب کہ جو آقاؐ کی زیارت ہے منع
گلؔ نے یہ دل انہی قدموں میں جھکا رکھا ہے

اُس نے توڑا بہت قرینے سے

اُس نے توڑا بہت قرینے سے
دل کے شیشے کو اک نگینے سے

کس سلیقے سے غرقِ آب کیا
شور تک نہ اٹھا سفینے سے

راستے بے نشاں تھے دل کے پر
آئے تھے وہ الگ ہی زینے سے

وقت تھا سو نکل گیا آگے
دل ہے بیزار اب تو جینے سے

کرچیاں ہوکے جب بکھرتا ہے
نالہ اٹھتا ہے آبگینے سے

موسمِ گل میں سانس لیتی ہوں
دم نکلتا ہے جیسے سینے سے

سنو ہمصفیرو ہے دل پارا پارا

سنو ہمصفیرو! ہے دل پارا پارا
نہیں ہمنوائی کا اب ہم کو یارا

لبوں پر تو نغمے ہیں بیشک بھلے سے
مگر سازِ دل سے کپٹ آشکارا

پریشاں خیالی کو میری انہوں نے
بڑے پیار اور خوش دلی سے سنوارا

محبت کا اظہار تو ان سے کر دوں
حیا کو مگر یہ نہیں ہے گوارا

بہت خوبصورت نظر آ رہے ہیں
وہ بیٹھے ہیں چلمن کا لے کر سہارا

جو ٹھانی ہے دل میں وہی ہم کریں گے
یہی عزم ہے حرفِ آخر ہمارا

بنا رکھنا دوری کہے دل یہ گلؔ سے
ہے فرقت نے قربت کو اکثر نکھارا

مجھ سے جو اُس نے گفتگو کی ہے

مجھ سے جو اُس نے گفتگو کی ہے
دل میں رہنے کی جستجو کی ہے

وہ جھکی سی نگہ کہ جس نے پھر
مجھ کو پانے کی آرزو کی ہے

میرے الفاظ بھی لرزنے لگے
بات جب اس کے روبرو کی ہے

خاک ارماں ہوئے کہ اس کی تو
چاہ بس جسم کے سبو کی ہے

وہ نہیں جانتا ہے کیا ہے عشق
پھر بھی اس نے یہ آرزو کی ہے

چاک داماں ہوں پھول کی مانند
دل کو ہے فکر تو رفو کی ہے

منجمد خوف سے ہے خوں میرا
پیاس اُس کی میرے لہو کی ہے

شاخ پر ان بجھے سے پھولوں کو
ڈھار شبنم سے اب وضو کی ہے

کہ مہکنا تو گلِ کی فطرت ہے
توڑنا اِس کو خُو عُدو کی ہے

سر کش مٹے کچھ ایسے کہ نابود ہو گئے

سر کش مٹے کچھ ایسے کہ نابود ہو گئے
رحمت سے رب کی دور وہ مردود ہو گئے

ہر عیب سے بری ہے یہ اللہ کی کتاب
مفروضے منکرین کے بے سود ہو گئے

عقل سلیم، فکر رسا اور ادائے پاک
جن کو خدا نے بخشی وہ محمود ہو گئے

راہِ وفا میں پیکرِ صدق و صفا تھے جو
جویائے حق کی منزل مقصود ہو گئے

ذکرِ خدا میں دیکھ ذرا گلؔ کی بے خودی
کانٹے بھی کھل کے شاہد و مشہود ہو گئے

جانے کیوں رکھتے ہو تم دل میں عداوت گل کی

ہے یہ اک اور نئی سخت مصیبت گلۂ کی
گلۂ فروشوں نے گرا رکھی ہے قیمت گلۂ کی

توڑ سکتے ہیں وہی گل کو یوں بیدردی سے
جن کے دل میں نہ رہی ہو کبھی الفت گل کی

گل جو مرجھائے تو ہوتے پریشاں کچھ لوگ
اور کچھ لوگ کہیں، تھی یہی قسمت گل کی

دعٰوی کرتے ہیں سبھی گل سے محبت کا مگر
چاک بھی کرتے ہیں پھر چادرِ حرمت گل کی

مسلے جانے پہ بھی خوشبو ہی فقط دیتا ہے
یعنی مٹ کر بھی بدلتی نہیں فطرت گل کی

گل کا ہے کام دل و جاں کو معطر کرنا
دیکھ فیاضی، عطا اور سخاوت گل کی

رونق بزمِ محبت ہے وہ تعظیم کرو
جانے کیوں رکھتے ہو تم دل میں عداوت گلؔ کی

اس کے وعدوں کا اعتبار نہیں

اس کے وعدوں کا اعتبار نہیں
اب مرے دل میں اس کا پیار نہیں

آ بھی جائے اگر منانے وہ
مجھ کو دل پر کچھ اختیار نہیں

عادتیں سب خراب ہیں اس کی
اپنی عزت کا پاسدار نہیں

بھول بھی جائے وہ تو کیا غم ہے
اب مجھے اُس کا انتظار نہیں

دل ملانے کی بات جانے دیں
گو مرے دل میں کچھ غبار نہیں

میں نے رب سے ہی لو لگا لی ہے
اب مرے دل پہ غم کا بار نہیں

پیار شرطوں پہ گلِ اُتر آیا
اب کسی کا بھی اعتبار نہیں

میں اسے سائباں سمجھتی ہوں

میں اسے سائباں سمجھتی ہوں
اپنا سارا جہاں سمجھتی ہوں

وہ مجھے چاند جیسا کہتا ہے
میں اسے آسماں سمجھتی ہوں

رخ پہ اپنے چمکتے اشکوں کو
میں تو اک کہکشاں سمجھتی ہوں

زخم جب اک نیا وہ دیتا ہے
میں وفا کا نشاں سمجھتی ہوں

غیر شاید وہ جانتا ہے مجھے
میں اسے اپنی جاں سمجھتی ہوں

بیچ طوفاں میں ہو سفینہ اگر
میں اسے بادباں سمجھتی ہوں

بات گلِ کی اثر نہیں رکھتی
میں اسے رائیگاں سمجھتی ہوں

ایک دن ایسا اثر دیکھو گے

ایک دن ایسا اثر دیکھو گے
دل میں اک شعلہ مگر دیکھو گے

بات کرنے کا سلیقہ تو نہیں
سمجھانے کا ہنر دیکھو گے

روز ان کو تو ڈراتے ہو تم
دل میں اپنے ان کا ڈر دیکھو گے

بھول جاؤ گے سب ہتھیار اپنے
گِران کا تیر و تبر دیکھو گے

خوں وہ ایمان سے گرماتے ہیں
طاقت و زور و جگر دیکھو گے

وہ دمکتے ہوئے چہروں والے
کالی پگڑی ان کے سر دیکھو گے

گلِ کی نظریں تو ہوں گی مہدی پر
تم اے دجالی کدھر دیکھو گے

سکھا دے راستہ جو کچھ اسے حاصل سمجھ لینا

سکھا دے راستہ جو کچھ اسے حاصل سمجھ لینا
ضروری تو نہیں ہر شخص کو منزل سمجھ لینا

قتل کرنا مقابل کو ضروری تو نہیں شاید
اگر ملنے سے گھبرائے اسے گھائل سمجھ لینا

وفا کے نام پر جینا وفا کے نام پر مرنا
وفا کو بس ہمارے خون میں شامل سمجھ لینا

سمندر کا سفر ہے اور وہ تاریکیوں میں ہے
جہاں پر کشتی ٹکرائے اسے ساحل سمجھ لینا

اگر اک لوتھڑا ہو وہ بھی ہو حالات کا مارا
بنا سوچے اسے میرا ہی زخمی دل سمجھ لینا

مباحث میں وہ مجھ سے جیت تو سکتا نہیں ہے گلؔ
جہاں خاموش ہو جائے اسے قائل سمجھ لینا

بے حجابی سے اجتناب کروں

بے حجابی سے اجتناب کروں
اپنے چہرے پہ میں نقاب کروں

اب تو آنکھوں میں احترام نہیں
خود ہی نظروں کا احتساب کروں

حکمِ مولا میں اب تو مان بھی لوں
آخرت اپنی کیوں خراب کروں

جو مقدر ہے مل ہی جائے گا
زندگی کو میں کیوں عذاب کروں

راضی اللہ، تو جہاں راضی
کیوں کسی کو آپ جناب کروں

آ گیا گلؔ کے دل میں رب کا ڈر
کیوں گناہوں کا ارتکاب کروں

اداس شاموں کی بات کر کے رُلاتے کیوں ہیں

اداس شاموں کی بات کر کے رُلاتے کیوں ہیں
یہ ان ہی باتوں میں رات کر کے سُلاتے کیوں ہیں

جو میری فطرت میں نازکی تھی وہ روند ڈالی
یہ لوگ پیروں میں برگِ گلِ کو بچھاتے کیوں ہیں

نہ جانے کیسے غموں کی آندھی میں پھنس چکے ہیں
مرے ہوئے میرے لاشے کو وہ بچاتے کیوں ہیں

وہ بڑھ چکے ہیں بہت ہی آگے حسد میں لیکن
جو لوگ ہارے ہیں ان کو پھر سے ہراتے کیوں ہیں

لبادہ غم کا جو اوڑھے بیٹھے ہیں کب سے گلؔ اب
یہ غم کا قصہ مجھے یوں آ کر سناتے کیوں ہیں

بنتِ حوّا ہوں، بے نوا ہوں میں

بنتِ حوّا ہوں، بے نوا ہوں میں
اپنی تقدیر سے خفا ہوں میں

میرے نازو ادا مقیّد ہیں
اہلِ خانہ کا آسرا ہوں میں

منّتوں سے خدا سے مانگا تھا
اپنے ماں باپ کی دعا ہوں میں

خاک آلودہ ہوں میں بھوکی ہوں
خود ہی اپنے لیے سزا ہوں میں

مری اوقات ارضِ پاک پہ بس
گھر کی پونچی ہوں اک ٹکا ہوں میں

اے خدا تُو خدا مرا بھی ہے
پھر کیوں اس قدر جدا ہوں میں

سر پہ سج جاؤں ایسا گلؔ ہوں میں
اور پیروں میں ہی پڑا ہوں میں

حکمِ اللہ ہے کہ نیکی کی دوں دعوت لیکن

حکمِ اللہ ہے کہ نیکی کی دوں دعوت لیکن
خدمتِ خلق سے مل جاتی ہے جنت لیکن

فقر و فاقہ نہیں کچھ بھی جو ہو اللہ کی رضا
اگلی منزل کے لیے سہہ لوں صعوبت لیکن

ہوں اگر امر بالمعروف پر عمل پیرا
پھر ضرورت نہیں کرتے جو مشقت لیکن

اب تو سجدوں میں بھی اخلاص بھلا دیتے ہیں
کس طرح پائیں گے مولا یہ حقیقت لیکن

ہم کریں لاکھ عبادت نہ ہو گر فضل خدا
اس طرح پا نہیں سکتے کبھی جنت لیکن

ان کی تسبیح سے مشروط عبادت ہے گلؔ
کھوٹ نیت کی جلاتی ہے ریاضت لیکن

ان کے لفظوں میں زیر و بم سا ہے

ان کے لفظوں میں زیر و بم سا ہے
میری آنکھوں میں تھوڑا نم سا ہے

جانے یہ کیسا دور ہے آیا
مسکرانے میں ایک غم سا ہے

نہ تو اپنائیت ہے رشتوں میں
اور قرابت میں ایک خم سا ہے

وہ جو اپنے تھے غیر ہیں اب تو
اور غیروں میں کچھ کٹم سا ہے

اب کسی کو نہیں گلؔ کا احساس
دل تو ہے پر دلِ صنم سا ہے

یا عجب سلسلہ رہا دل میں

یا عجب سلسلہ رہا دل میں
اک تلاطم سا تھا بپا دل میں

میری کشتی بھنور میں چھوڑ گیا
بد گماں تھا وہ نا خدا دل میں

جب سے نسبت ہوئی ہے دنیا سے
نفس مجھ سے ہی لڑ پڑا دل میں

درد کے سلسلے بھی چل نکلے
یہ بھی کھاتہ نیا کھلا دل میں

مجھ کو اپنوں نے توڑ ڈالا ہے
اب بھروسہ نہیں رہا دل میں

رب کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں
رکھ گناہوں سے فاصلہ دل میں

زیست لمحوں میں بٹ گئی اپنی
نہ رہا کوئی آسرا دل میں

انس ہے مجھ کو اپنی خلوت سے
کیوں کہ کوئی نہیں رہا دل میں

بے بسی کی نہ بات کرنا تم
گلِ کی خوشبو رہے سدا دل میں

سدا جو صدا دے رہے تھے خدارا

سدا جو صدا دے رہے تھے خدارا
سدا کر رہے تھے انہی سے کنارا

لبوں پر ترانے محبت کے ان کے
اور اپنی شرافت کرے آشکارا

مری بگڑی مورت کو موہوم کر کے
بہت خوبصورت انہوں نے سنوارا

اگرچہ کہ ان سے محبت بہت ہے
حیا کا جو پردہ خدا نے اتارا

جو اک بار ہم نے کیا فیصلہ ہے
نہیں سوچتے پھر اسی پر دوبارہ

بنا کے رکھی ہے یہ دوری جو گلِ نے
مگر ان کے بن اب نہیں ہے گزارا

وسعتِ دہر میں امکاں ہے کہیں کھو جائیں

وسعتِ دہر میں امکاں ہے کہیں کھو جائیں
یا تو ہم خاک کے بستر میں کہیں سو جائیں

اپنی ہی زلف سنواریں تو ہمیں کیا حاصل
زندگی کا جو ہے مقصد اسی کے ہو جائیں

مرقدِ زیست پر آئیں تو مبادا یاد آئے
اپنے ہاتھوں پہ لگے خون کو ہی دھو جائیں

اپنی فطرت میں نہ شوخی و نہ طراری ہے
کس طرح ہم بھی نمائش کی نذر ہو جائیں

کیوں سن و سال گزارے نہ قرینے سے گلؔ
آبِ گریہ سے گلستان کو ہی دھو جائیں

یہ جو وقت ہے گزر جائے گا

یہ جو وقت ہے گزر جائے گا ....طوفان بھی یہ تھم جائے گا

کہ جو دُھوپ چھاؤں کا کھیل ہے
یہ بھی بس نظر ہی کا میل ہے
یہ عدو ہے جس کا نشاں نہیں
اِسے جھیلنا بھی آساں نہیں
کچھ تو راستہ نظر آئے گا

یہ جو وقت ہے گزر جائے گا ....طوفان بھی یہ تھم جائے گا

مرِی آنکھ میں آج گرد ہے
ہر اک کا خوں آج سرد ہے
ریزہ ریزہ خواب مرے ہوئے
جو کھلے ہیں پھول ترے ہوئے

تُو مگر بتا کدھر جائے گا

یہ جو وقت ہے گزر جائے گا ....طوفان بھی یہ تھم جائے گا

یہ جو اتنی طویل شام ہے
یہ شام عدو کے نام ہے
مرے آنسوؤں کا یہ ظرف ہے
منجمد ہیں جیسے کہ برف ہے
کوئی اچھی سی خبر لائے گا

یہ جو وقت ہے گزر جائے گا ....طوفان بھی یہ تھم جائے گا

مری تشنگی کو بڑھاتی ہے
یہ جو آگ دل کو جلاتی ہے
نہ جانے یہ کیسی ہوا چلی
جو خوشیوں کو بھی بہا چلی
جو مرجھایا ہے نکھر جائے گا

یہ جو وقت ہے گزر جائے گا ....طوفان بھی یہ تھم جائے گا

نکلے دل سے ایسی دعا خدا
کہ ایسی چلے کوئی ہَوا خدا
جو گرا دے پیڑ غرور کے
بجادے سُر جو سرور کے
ان دعاؤں میں اثر آئے گا

یہ جو وقت ہے گزر جائے گا ....طوفان بھی یہ تھم جائے گا

وہ جو راستے بے یقین تھے
جو قدم مرے بے زمین تھے
جن کی منزلوں کے نشاں نہ تھے
جن کے خواب بھی کچھ عیاں نہ تھے
وہ نشاں بھی اب نظر آئے گا

یہ جو وقت ہے گزر جائے گا ....طوفان بھی یہ تھم جائے گا

وہ نشانِ پا جو ملیں کبھی
یہ پھول پھر سے کھلیں کبھی
یہ جو چند قدم کے ہیں فاصلے
جو جدا ہیں دل پھر سے آملے
پھر سے یہ چمن مسکرائے گا

یہ جو وقت ہے گزر جائے گا ....طوفان بھی یہ تھم جائے گا

نہ ہو خوف میرے وجود سے
گر ڈرے فقط تو معبود سے
نہ ادھر کا ہو نہ اُدھر کا ہو
وہ شریک میرے سفر کا ہو
موسمِ بہار جب آئے گا

یہ جو وقت ہے گزر جائے گا ....طوفان بھی یہ تھم جائے گا

کچھ تو کرتا خیال نظروں کا

بس یہی ہے سوال نظروں کا
کچھ تو کرتا خیال نظروں کا

حسن ہے با کمال باطن ہے
سچ تو یہ ہے کمال نظروں کا

کبھی ترچھی کبھی پلکوں کی اوٹ
ہے یہی قیل و قال نظروں کا

وہ ملے اور وہ ملے بھی نہیں
رہ گیا بس وصال نظروں کا

بے بسی لگ گئی گلے گلؔ کے
بجھ گیا ہے مشال نظروں کا

اک اور ہی جہاں ہے

تخیل کی سر زمیں ہے
تخیل کا آسماں ہے

اک خواب کا یقیں ہے
اک اور ہی جہاں ہے

نہ احساس ہے دکھوں کا
نہ ہی درد اور غموں کا

بغاوت بھی نہیں کی ہے
عداوت بھی نہیں کی ہے

محبت اگر گناہ ہے
محبت اگر دغا ہے

یہی خوف ہے مجھے اب
محبت کی کیا سزا ہے؟

میں گل ہوں میرا باطن
ہر شخص پر عیاں ہے

خوشبو بکھیرنا جو
رب کی اگر عطا ہے

یہی مرا گناہ ہے
پھر اس کی کیوں سزا ہے؟